فکر و نظر........... اسلام آباد   جلد: ۴۷   شمارہ: ۴

برصغیر کے فقہی رجحانات کا ارتقائی جائزہ

ڈاکٹر محسنہ منیر☆

ABSTRACT

The muslims of Sub-continent gained the knowledge of islam from famous centres of the muslim world in early years of Islam. The trends of this area were under influence of the trends of Hijaz, Iraq, and Syria. Different schools of thoughts of usool-e-fiqh were settled in the muslim world before the fourth century of hijrah. There are different tendencies towards these schools of thoughts in different countries of the muslim world. In the sub - continent there were also more than one trends of fiqh which resulted in the semi conformity and total conformity of different kinds in different times. As the matter of fact, the scholars of the sub - continent did worthy jobs in spreading the light of Islam here.The countless number of muhadisin, qazis and scholars spent their lives in teaching the people of distant areas of the sub-continent.That is why Islam got strong roots in the Indo Pak area. They maintained standards by writing books, fatawas, and established great setup of madaris.

مسلمانان برصغیر نے علوم دینیہ کے حصول کے لئے سر زمین حجاز، عراق اور شام سے اپنا تعلق مضبوط اور قائم رکھا ہے۔ فقہی میدان میں علمائے برصغیر مذکورہ مراکز علمی سے ہمیشہ ہی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ انہوں نے ان مراکز علمی کی علمی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی اتباع جاری رکھی ہے اس بناء پر حجاز، عراق اور شام کے فقہی رجحانات نے جنوبی ایشیا میں خوب مقام و مرتبہ پایا(۱)۔ آغاز اسلام سے ہی مسلم علماء، افواج اسلام کے ہمراہ یہاں تشریف لائے اور اس بات کے بھی شواہد ملتے ہیں کہ رسول اکرمﷺ کے تعلیم و تربیت یافتہ دینی علوم کے حامل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہندوستان تشریف لائے(۲)۔ جو بیک وقت امیر، قاضی اور فقیہ ہوتے تھے ابن ابی حاتم الرازی (م۳۲۷ھ) نے لکھا ہے:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

''ثم تفرقت الصحابة رضی الله عنهم فی النواحی والا مصار والثغور فی فتوح البلدان و المغازی والا مارة والقضاء والا حکام فبث کل واحد منهم فی نا حیته وبالبلدالذی هو به، ما و عاه و حفظه عن رسول اللّٰه ﷺ و حکموا بحکم اللّٰه عزوجل وامضوا الامور علی ماسن رسول اللّٰه ﷺ وافتوا فیما سئلوا عنه مما حضر هم من جواب رسول اللّٰه ﷺ عن نظائرها من المسائل و جردوا انفسهم مع تقدمة حسن النیة والقربة الی اللّٰه تقدس اسمه لتعلم الناس الفرائض والاحکام والسنن والحلال والحرام حتی قبضهم اللّٰه عزوجل رضوان اللّٰه ومغفرته ورحمته علیهم اجمعین''(۳)

"رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم مختلف شہروں، علاقوں اور سرحدوں میں فتوحات، مغازی ، امارات اور قضاۃ اور احکام کے سلسلے میں پھیل گئے اور انہوں نے اپنے علاقہ اور شہر میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سن کر یاد کیا تھا اسے عام کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے سنن جاری کیے اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پہ امور و معاملات کو چلایا اور آپ ﷺ سے مسائل کے جواب میں جو کچھ سنا تھا ان جیسے مسائل میں اس کے مطابق فتویٰ دیا اور حسن نیت اور رضائے الٰہی کے ساتھ لوگوں کو فرائض، احکام، سنن حلال و حرام کی تعلیم کے لئے خود کو تیار کیا اور اپنے کام میں لگے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا"۔

مفتوحہ علاقوں میں مقامی نو مسلموں کی دینی و فقہی تعلیم و تربیت کے لئے خاص طور پر قاضی و معلم بھی روانہ کیے جاتے تھے ہندوستان میں امراء و عمال عرب سے تشریف لائے ان میں علیحدہ معلم، قاضی اور مفتیان کرام بھی ہوتے تھے(۴)۔ سر زمین برصغیر کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ امام حسن بصریؒ نے یہاں آ کر فقہ کی ذمہ داری ادا کی۔

طبقات ابن سعد میں ہے:

''کان الحسن یغزو وکان مفتی الناس ھھنا جابر بن یزید ، قال ثم جا ء الحسن فکان یفتی''(۵).

"جس وقت حسن بصریؒ نے جہاد میں حصہ لیا اس وقت وہاں کے مفتی جابر بن یزید تھے پھر جب حسن بصریؒ آ گئے تو وہ فتویٰ دینے لگے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سندھ میں حضرت حکیم بن جبلہ عبدی تشریف

لائے جو قاضی تھے کتب تاریخ میں مختلف بلاد و امصار کے قضاۃ کے اسمائے گرامی بھی ملتے ہیں(۶)۔ عہد بنو امیہ میں سر زمین عرب کے بلادِعلمی میں فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس وقت ہندوستان کی مسلمان علمی شخصیات کی عرب اور دنیائے اسلام کے دیگر بلاد و امصار میں آمد و رفت جاری تھی جہاں وہ حدیث تفسیر، فقہ ، مغازی اور لسانی علوم کی تحصیل اس وقت کے جید علماء سے کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر انہی علاقوں میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں ان علوم کی ترویج و اشاعت فرمانے لگے۔مشہور کتب رجال میں ہندی علماء کا شمار درجہ اولیٰ میں ہوتا ہے۔ بشیر بن عمرو بن ھارون سندی مالکی کے بارے میں قاضی عیاضؒ (م ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

"وبشیر بن عمرو السندی بن ابی ھارون و غیرہ و علیه تفقه جماعة من کبار المالکیة کاسمعیل بن اسحاق القاضی واخیه حماد"(۷)

"اس طبقہ میں بشیر بن عمرو الہندی وغیرہ ہیں ان سے کبار مالکیہ کی ایک جماعت نے تفقہ کی تعلیم پائی ہے جیسے قاضی اسمٰعیل بن اسحاق اور ان کے بھائی حماد بن اسحٰق"

ابو العباس احمد بن محمد الدیبلی المصری الشافعی کے بارے میں عبدالوھاب السبکیؒ (م ۷۷۱ھ)نے لکھا ہے :

"انه کان فقیها جیداً المعرفة تفقه علی مذھب الشافعی"(۸)

"وہ جید فقیہ تھے ان کی مذہب شافعی کے بارے میں سمجھ بوجھ مشہور و معروف ہے"

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ ابومحشرنجیح بن عبدالرحمٰن محدث و فقیہ عالم تھے (۹)۔

خطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیّہ، محدث، متکلم اور فقیہ تھے جن کی فقہی موضوعات پر تصنیفات مناظرانہ اسلوب رکھتی ہیں(۱۰)۔

ربیع بن صبیح البصری (م ۱۶۰ھ) کے بارے میں الرامھر مزی نے لکھا ہے کہ:

"اول من صنف و بوّب فیما اعلم الربیع بن صبیح بالبصرة ثم سعید بن ابی عروبه"(۱۱)

"میرے علم کے مطابق بصرہ میں سب سے پہلے ربیع بن صبیح نے احادیث کی ابواب بندی کی (فقہی) اور پھر سعید بن ابی عروبہ نے"۔

سر زمین ہندوستان کو یہ شرف بھی حاصل ہو اہے کہ عرب کے دو علماء جو اما م حسن البصری کی

تلامذت کی نسبت سے صاحب الحسن کہلاتے تھے یہاں تشریف لائے۔ ان میں ربیع بن صبیح البصری ۱۵۹ھ میں یہاں آئے اور ۱۶۰ھ میں یہیں وفات پائی اور دوسرے امام ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری نزیل الھند تھے(۱۲)۔

ابو الھیثم سہل بن عبدالرحمان الہندی الرازی کو سندی بن عبدویہ کے نام سے جانا جاتا ہے ان کے بارے میں السمعانی نے لکھا ہے: ''**وھو اول من جمعتاله**''

وہ بیک وقت دو شہروں ہمدان اور قزوین کے قاضی تھے اور ان کو ان دونوں شہروں کا عہدہ قضا سب سے پہلے دیا گیا۔(۱۳)

مذکورہ روایات سے اموی دور کے ہندی فقہاء کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس عہد میں علماء کی فقہی وابستگی کے آغاز کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ہندوستان میں حنفی مذہب کی آمد:

یہ خلافت عباسیہ کا دور تھا جب ہندوستان میں قاضی حضرات حنفی مذہب کے مطابق فیصلے فرمانے لگے تھے۔ اسی دور میں عراق میں امام اعظم ابو حنیفہؒ (م۱۵۰ھ) کے شاگردوں امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) اور امام ابو یوسفؒ(م۱۸۳ھ) عراق میں تدوین فقہ حنفی فرما رہے تھے۔ اس وقت خلیفہ ہارون الرشید نے قاضی ابویوسفؒ کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز کیا۔ اسلامی ریاستوں میں قضاۃ کا تقرر قاضی ابو یوسفؒ کیا کرتے تھے اور بوقت تقرری قضاۃ کے لئے یہ شرط رکھتے تھے کہ تمام فیصلے اور عمل مذہب حنفی کے مطابق کیے جائیں(۱۴)۔ شاہ ولی اللہؒ (م۱۷۰۷ء) محدث دھلوی لکھتے ہیں:

> ''**وکان اشھر اصحابه ذکراً ابو یوسف فولی قضاء القضاة ایام ھارون الرشید فکان سببا لظھور مذھبه: والقضاء به فی اقطار العراق و خراسان و ماوراء النھر**''(۱۵)
>
> "امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے مشہور شاگرد امام ابو یوسفؒ تھے ہارون الرشید کے عہد میں انہیں قاضی القضاۃ کا منصب دیا گیا۔ یہی منصب ان کے مذہب کو عام کرنے کا سبب تھا اور عراق و خراسان اور ماوراء النھر کے علاقوں میں اسی کے مطابق فیصلے نافذ ہوئے"

یا قوت الحموی (۶۲۶ھ) کے مطابق اس وقت سندھ میں حنفی مذہب اثر پذیر ہو چکا تھا:

> **مذاھب اھلھا الغالب علیھا مذھب أبی حنیفةؒ**(۱۶).

حنفی مذہب کے ساتھ دیگر مذاہب کا عمل دخل بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تھا عرب سے جس مذہب کے حامل علماء ہندوستان کے جس علاقے میں تشریف لائے وہاں اسی مذہب کا اجرا ہوتا بقول مقدسی بشاری:

''مذاهبم اكثرهم اصحاب حديث واهل الملتان شيعة يهو علون فى الاذان ويثنون فى الا قامة ولا تخلوا القصبات من فقها ء على مذهب ابى حنفية رحمه الله وليس به مالكية ولا معتزلة ولا عمل للحنابلة (۱۷)"

"یہاں اکثریت اصحاب حدیث کی ہے اہل ملتان شیعہ ہیں وہ اذان میں حی علی الخیر العمل کہتے ہیں اور اقامت کے الفاظ دو دو بار کہتے ہیں اور بڑے بڑے شہر فقہائے حنفیہ سے خالی نہیں ہیں یہاں نہ مالکیہ ہیں نہ معتزلہ اور نہ ہی حنبلی مذہب کا عمل دخل ہے''۔

بعد کے ادوار میں ہندوستان میں سب سے بڑا مذہب حنفی ہی رہا۔ ہندوستان میں حنفی مذہب کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی بڑی وجہ یہاں قائم ہونے والی مسلمان سلطنتوں کی جانب سے اس مذہب کی سر پرستی کرنا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس خطے کے حالات کے ساتھ حنفی مذہب ہی مطابقت رکھتا ہو۔ مزید برآں حنفی مذہب چونکہ وسعت اور لچک کا حامل ہے اس لیے اسے طول و عرض میں قبولیتِ عام حاصل ہوئی۔

فقہاء و محدثین کے درمیان اختلاف کا آغاز

۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک برصغیر پاک وہند میں سلاطین دہلی کی حکومت تھی اس دور میں سلاطین نے ملکی قانون کی اساس قرآن وسنت پر رکھی جس کے مطابق غیرمسلموں کو مذہبی آزادی حاصل تھی ان پر جزیہ کی ادائیگی لازم قرار دی گئی(۱۸) اس دور سے پہلے تک برصغیر کے محدثین کرام علم حدیث کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دینے میں مصروف تھے کتب میں برصغیر کے محدثین کرام کے کارہائے نمایاں کی طویل فہرستیں ملتی ہیں۔(۱۹) جب بلاد اسلام اہل الرائے کے بیانات سے گونجنے لگے تو ان کا اثر ہندوستان میں بھی قبول کیا گیا۔ آٹھویں صدی ہجری میں جب ابن بطوطہ ہندوستان آیا اس کے بیان کے مطابق اس وقت اس کی ملاقات جنوبی ہند میں کئی شافعی فقہاء سے ہوئی اس وقت جنوبی ہند میں شافعی مذہب جبکہ شمالی ہند میں حنفی مذہب عام تھا، شوافع حجاز کے علوم یعنی علم حدیث کی تعلیم و ترویج پر زور دیتے تھے جبکہ حنفی وسطی ایشیاء کے علمی رجحان یعنی علم فقہ کی تعلیم پر زور دیتے تھے(۲۰)۔ عراق و شام میں جاری مناظرانہ سرگرمیوں کا اثر یہاں پہنچا اس کا اندازہ اس واقعہ

سے ہوتا ہے جو غیاث الدین بلبن (۱۳۲۰ء-۱۳۲۵ء) کے عہد میں پیش آیا۔ روایات کے مطابق فقہائے حنفیہ نے شیخ نظام الدین اولیاؒ(م ۷۱۸ھ) کے ساتھ سماع کے موضوع پر ایک مناظرے کے موقع پر شیخ نظام الدین اولیاؒ کے احادیث پر مبنی دلائل کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وہ فقہ حنفی کے بجائے فقہ شافعیہ کی حمایت میں تھے۔ اس موقع پر شیخ نظام الدین اولیاؒ نے یہ فرمایا کہ ایک ایسے ملک کے مسلمان کب تک باقی رہیں گے جہاں ایک فرد کی رائے کو احادیث رسول ﷺ پر فوقیت دی جاتی ہو(۲۱)۔ برصغیر پاک وہند میں اہل الحدیث اور اہل الرائے کے درمیان مختلف موضوعات پر بحثوں کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ہندوستان کے سلاطین کا سرکاری مذہب حنفی تھا جس کے حامل کے لئے سرکاری ملازمت کے حصول کے روشن مواقع تھے۔(۲۲) سلاطین کا روز مرہ کا معمول تھا کہ وہ جید علمائے فقہ کی مجالس میں پیش آمدہ مسائل پر تبادلہ خیال کیا کرتے تھے مثلاً بیت المال کے معاملات، بد عنوان حاکموں کی سزاؤں کے قوانین، بیت المال میں سلطان کے حصے کے بارے میں بحث اور اسلامی حکومت میں ہندوستان کی قانونی حیثیت کے بارے میں بحث وغیرہ(۲۳) اس دور میں مشہور کتب فقہ کے شروح و حواشی لکھے گئے۔ مطولات مختصر کئے گئے اور فتاویٰ کے مجموعے مرتب کیے گئے چند اہم فتاویٰ جو اس دور میں تیار ہوئے ان میں قدیم ترین مجموعہ غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ-۶۸۶ھ) کے زیر سرپرستی تیار کردہ فتاویٰ غیاثیہ ہے جسے مشہور فقیہ شیخ داؤدبن یوسف الخطیب نے مرتب کیا۔ فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ-۷۹۰ھ) کے دور میں فتاویٰ فیروز شاہی شائع کیا گیا ایک تحقیق کے مطابق اسے جلا ل الدین خلجی (م۶۹۵ھ) کے عہد میں مظفر کرامی نے تیار کیا اور بعد میں قبول خان قراخان نے اسے مکمل کیا۔ جو فارسی زبان میں حنفی اصولوں کے مطابق مرتب کیا گیا اور اس کا نام فتاویٰ قراخان رکھا ۔ مگر مظفر کرامی کا مخطوطہ جو فتاویٰ فیروز شاہی کہلاتا ہے فیروز شاہ تغلق کے دور میں شائع کرایا(۲۴)۔ اسی عہد کی ایک اور فقہی کتاب فوائد فیروز شاہی ہے جو اہمیت کی حامل ہے اسے شرف الدین محمد بن العطا نے لکھا اور فیروز شاہ تغلق کی طرف منسوب کیا(۲۵)۔

فتاویٰ تاتارخان کے مؤلف عالم بن العلاء (م ۷۸۶ھ) ہیں جو محمد تغلق (م ۷۹۵ھ) کے دور کے معروف فقیہ تھے۔ اس وقت کے امیر تاتار خان ان کی بے حد قدر کرتے تھے تیس جلدوں پر مشتمل یہ فتاویٰ امیر تاتار خان کے نام سے موسوم کیا گیا (۲۶)۔ ان کے علاوہ فتاویٰ حمادیہ جسے ابو الفتح رکن بن حسام ناگوری نے مرتب کیا اور فتاویٰ ابراہیمیہ مؤلف قاضی نظام الدین (م ۸۷۹ھ) بھی اسی دور کے اہم فتاویٰ ہیں (۲۶)۔ اس دور میں قضاۃ اور فقہاء کے مطالعے کے لئے قیمتی کتب بلاد اسلام سے ہندوستان منگوائی جاتی تھیں۔(۲۷) تغلق عہد حکومت میں سو سے زیادہ فقہاء عدالتوں سے

منسلک تھے اور احکامات جاری کرنے کے لئے فقہ کی مشہور کتب سے بکثرت استفادہ کیا جاتا تھا۔ ایک اور اہم کام جو اس دور میں کیا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ وقت کے بڑے فقہاء کو ہندوستان بلوایا گیا تاکہ ان کے درجۂ علمی سے استفادہ کیا جاسکے۔ چنانچہ سمر قند سے قاضی برہان الدین اور شیراز سے قاضی مجد الدین کو ہندوستان لانے کے خاص انتظامات کیے گئے(۲۸)۔ فقہ حنفی کی تعلیم کے لئے مدارس قائم کیے گئے جن کے اساتذہ کو حکومت کی طرف سے تنخواہیں دی جاتی تھی(۲۹)۔ اس وقت ہندوستان کے مشہور علماء جن کا تذکرہ کتب میں ملتا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: وجیہ الدین کاشانی، مولانا خواجگی دھلوی، (م۸۰۹ھ) عبدالمقتدر الشریحی، قاضی ظہیر الدین دھلوی، برہان الدین نسفی، نظام الدین فرغانی وغیرہ (۳۰)۔ غرض برصغیر پاک وہند کے اس دور میں اس خطے میں علمائے حدیث اور علمائے فقہ کے کارہائے نمایاں سراہے جانے کے لائق ہیں۔

دربار میں فقہاء کا مقام:

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے دور حکومت میں علم فقہ کے ارتقائی جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ سلاطین کے درباروں میں فقہاء کو خاص مقام حاصل تھا ہندوستان کے فقہاء نے سلاطین کو شرعی احکام سے آگاہ کرنے کا کام خاطر خواہ طریقے سے کیا۔ کتب تاریخ میں سلاطین کے جاری کردہ بعض غیر شرعی احکامات کے خلاف فقہاء کے آواز اٹھانے کی روایات بھی موجود ہیں یہاں تک کہ کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں انہیں قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں۔(۳۱) بعض مواقع پر فقہاء نے اپنی جان کی پروا تک نہ کی اور کلمہ جہاد ادا کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کیں(۳۲)۔ علاؤالدین خلجی نے چند باغیوں کو ظالمانہ سزائیں دیں جنہیں فقہاء نے غیر اسلامی قرار دیا۔ عضیف الدین کاشانی جو کہ سلطان محمد بن تغلق کے عہد حکومت میں فقہی عالم تھے انہوں نے سرکاری طرف سے دہلی کے کسانوں سے کاشت لینے کو غیر قانونی قرار دیا(۳۳)۔ سید جلال الدین بخاری نے تغلق حکمرانوں کے عوام سے غیر قانونی ٹیکس لینے کو نشانہ تنقید بنایا۔ انہوں نے دلائل سے یہ بھی ثابت کیا کہ شب برأت پر آتش بازی کرنا صرف ہندوستانی مسلمانوں کا عمل ہے۔ قطب الدین منور نے سلاطین کے شراب نوشی کے عمل پر کھلی تنقید کی اور ابو الوہاب البخاری نے سلطان سکندر لودھی کے داڑھی منڈوانے کے عمل پر اس کی سرزنش کی(۳۴)۔

فتاویٰ عالمگیری:

مغلیہ عہد سلطنت (۱۵۲۶ء-۱۸۵۸ء) میں بدستور حنفی مذہب سرکاری طور پر رائج تھا(۳۵)۔ شہنشاہ

اکبر (م ۱۶۰۵ء) کے علاوہ دیگر تمام مغل شہنشاہوں نے ملکی قانون کی تشکیل میں شریعت اسلامی کو مدنظر رکھا جبکہ اورنگزیب عالمگیر (م ۱۷۰۷ء) نے اپنے پیشرو حکمرانوں سے بڑھ کر دینی رنگ اپنی ذاتی زندگی اور سرکاری اصول و قوانین میں جاری کیا اس نے اپنے سے پہلے فرماں رواؤں کے جاری کردہ غیر اسلامی قوانین کو تبدیل کر کے اسلامی قوانین رائج کیے مثلاً موسیقی اور رقص کا سرکاری تقاریب سے خاتمہ، درشن کی رسم کا خاتمہ، بادشاہ کی سالگرہ کے جشن کا خاتمہ، ستی کی رسم کا خاتمہ، غیر مسلموں سے جذیہ لینے کے سلسلے کا دوبارہ اجرا، مصوری سے مجسمہ سازی کا خاتمہ وغیرہ،(۳۶)۔ اورنگزیب کے عدالتی نظام کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے جس کے مطابق امراء و حاکموں کے قاضیوں کے معاملات میں دخل انداز نہ ہونے کے احکامات شہنشاہ کی جانب سے جاری کیے گئے تھے(۳۷)۔

اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں میدان فقہ میں سب سے گراں قدر خدمت فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کی صورت میں انجام دی گئی(۳۸)۔ اس دور میں فقہ اسلامی کی تدوین نو کی ضرورت محسوس کی گئی شہنشاہ نے اس امر کی جانب غیرمعمولی توجہ کی اور سلطنت کے طول و عرض سے بڑی تعداد میں فقہاء کو اس کام کے لئے جمع کیا گیا جن کی صدارت شیخ نظام الدین برہان پوری (م ۱۰۹۲ھ) کے سپرد تھی(۳۹)۔ اس نادر کتاب کی تیاری میں کم و بیش ۱۲۴ کتب بطور مآخذ شامل ہیں اس کی ۳۰ جلدیں ہیں اور یہ حنفی مذہب کا جامع مجموعہ فتاویٰ ہے(۴۰)۔

بقول مجیب اللہ ندوی:

> "فتاویٰ عالمگیر ی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی تالیف ہے اس لیے وہ نقائص اور فروگذاشتوں سے پاک ہے جس کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے"(۴۱)۔

اس مجموعہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں وہی مسائل لیے گئے جو راجح مفتیٰ بہ یا ظاہر الروایت (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، السیر الکبیر، السیر الصغیر) کے تھے جو مسئلہ ظاہر الروایت میں موجود نہیں تھا اسے نوادرات سے لے لیا گیا اور اس پر فتویٰ کا اشارہ دے دیا گیا۔ جس مسئلہ کے متعلق ایک سے زائد اقوال ہیں اور دونوں قابل ترجیح نہیں ہیں ان دونوں کو نقل کر دیا گیا ساتھ ہی ان کا حوالہ بھی دیا گیا۔ کتاب سے استفادہ اس وجہ سے آسان ہے کہ اس کے مندرجات کے حوالہ جات اہتمام سے دیے گئے ہیں مثلاً اگر کسی کتاب سے لفظ بلفظ نقل کیا گیا تو اسے " کذا" کے الفاظ سے واضح کیا گیا۔ اگر کتاب جس سے عبارت لی گئی وہاں یہ کسی دوسری کتاب سے نقل کیا

گیا تھا۔ تو "ناقلا عن فلاں" کے الفاظ کے ساتھ اصل کتاب کا حوالہ بھی دیا گیا۔ اس کتاب کی تیاری میں تقریباً آٹھ برس لگے اور کم و بیش دو لاکھ روپے لاگت آئی(۴۲)۔ غرض فتاویٰ عالمگیری فقہ اسلامی کی تمام اہم اور معتبر کتب کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جس کی تدوین میں بڑی احتیاط اور تبحر علمی سے کام لیا گیا۔ یہ کتاب غیر محتاط اور سر سری عبارات اور مندرجات سے پاک ہے فتاویٰ عالمگیری کاانگریزی ترجمہ: A digest of Moohammetan Haneefa and Islamia law in India کے نام سے Belly نے ۱۸۵۰ء میں شائع کیا(۴۳)۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ کئی فتاویٰ برصغیر میں مدون کیے گئے، جن میں فتاویٰ عزیزی مرتب شاہ عبدالعزیز دھلوی(م۱۲۳۹ھ) فتاویٰ مولانا عبدالحئی، مجموع فتاویٰ نذیریہ مرتب سید نذیر حسن دھلوی (م ۱۳۲۰ھ)، فتاویٰ رشیدیہ مرتب مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) امداد الفتاویٰ از مولانا اشرف علی تھانوی (م۱۳۶۲ھ) فتاویٰ ثنائیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۸ھ) فتاویٰ عثمانی اور فتاویٰ مفتی محمود وغیرہ شامل ہیں۔

باہمی اختلاف، فرقہ واریت اور تقلید محض کی اصلاح کا کام:

قرآن و حدیث، تعامل صحابہؓ، اجماع امت کی رو سے اجتہاد اپنی جملہ تعریفات کے لحاظ سے نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں فرض ہو جاتا ہے حدیث مبارکہ میں مجتہد کے اجر کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر اس کا اجتہاد درست نہ ہو تو اسے ایک اجر اجتہاد کا عمل اختیار کرنے کا ملے گا۔ صحیح البخاری میں ہے:

"عن عمرو بن العاص انه سمع رسول اللّٰہ ﷺ یقول اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران ، واذا حکم فاجتهد ثم اخطا ء فله اجراً"(۴۴)

"اجتہاد کرنے والا کبھی اجر سے محروم نہیں رہتا، اگر اس کا اجتہاد درست ہے تو اسے دو اجر ملیں گے ایک اس لیے کہ اس نے اجتہاد کیا اور دوسرا اس لئے کہ اس کا اجتہاد صحیح ہوا اور اگر اس کا اجتہاد غلط ہو ا تو اسے اجتہاد کرنے کا ایک اجر پھر بھی ملے گا"۔

اختلاف جو نصوص کی اساس رکھتا ہو اس کے جواز کے بھی علماء ہمیشہ قائل رہے ہیں مگر جو عمل ناجائز ٹھہرایا گیا ہے وہ اجتہاد کو کلیتہً ترک کر کے تقلید محض کی روش اختیار کرنا ہے۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کا آغاز ائمہ فقہاء کے وقت سے ہو چکا تھا جب امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے درمیان فقہی مناظرے منعقد ہوا کرتے تھے(۴۵) اور چوتھی صدی ہجری تک اپنے اپنے مذہب کی تقلید کو لازم اختیار کر لیا گیا بقول شاہ ولی اللہؒ (م ۱۷۰۷ء):

"اعلم ان الناس کا نوا قبل المائة الرابعة غیر مجمعین علی التلقید الخالص لمذهب واحد بعینه" (۴۶)

"جان لو کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل جملہ اہل اسلام کسی ایک معین مذہب کی خالص تقلید پر نہ تھے"۔

تقلید کی درج ذیل تعریفات کی گئی ہیں:

۱. **العمل بقول الغیر من غیر حجة ملزمة** (۴۷).
"کسی دوسرے کے قول پر دلیل کے بغیر عمل کو لازم کرنا"

۲ **العمل بقول من لیس احدی الحجج بلا حجة** (۴۸)
"ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا جس کے پاس اس دلیل کے علاوہ کوئی دلیل نہ ہو"

۳ **قبول القائل وانت لا تعلم من این قاله فقال** (۴۹).
"کسی کہنے والے کو قبول کرنا اس طور پر کہ قائل کے مآخذ کو آپ نہ جانتے ہوں"

امام الحرمین اور اصولیین کے ہاں یہ قاعدہ پایا جاتا ہے کہ عامی مقلد ہے اور مجتہد غیرمقلد ہے(۵۰)۔ برصغیر پاک و ہند میں تقلید مذاہب جس انداز سے عام طور پر شروع ہو ئی وہ اسی اصول کی بنیاد پر شروع ہو ئی۔ قاضی محبّ اللہ بہاریؒ (م ۱۷۰۷ء) نے مسلم الثبوت میں تقلید کے باب میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس کے مطابق امت درج ذیل طبقات اربعہ میں منقسم ہے:

۱۔ وہ گروہ جو ابواب شرع میں اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو ۔

۲۔ وہ گروہ جو ابواب شرع کے بجائے ابواب مسائل میں اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو ۔

۳۔ وہ گروہ جو اجتہاد کے لئے ضروری علوم کا ماہر ہومگر مجتہد کے درجے پر نہ پہنچتا ہو ۔

۴۔ عامی محض یعنی جو اجتہاد کے ضروری علوم کا علم بھی نہ رکھتا ہو۔

اس تقسیم کے لحاظ سے اول الذکر گروہ کے لئے تقلید حرام ہے۔ ثانی الذکر گروہ جن امور میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ان میں تقلید کرنا اس پر حرام ہے جبکہ بقیہ دو گروہوں پر تقلید واجب ہے کیونکہ قاضی محبّ اللہؒ کے نزدیک غیر مجتہد عالم بھی عامی کا درجہ رکھتا ہے۔ علاوہ بریں قاضی صاحب کی تحریرات سے یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ عامی کے لئے مذاہب اربعہ کی تقلید تک محدود رہنا واجب ہے مگر کسی ایک معین مذہب کی تقلید کرنا صرف اس صورت میں واجب ہو گا جب اس کے علاقے میں

صرف اسی ایک مذہب کے علماء ہی موجود ہوں۔ دوسری صورت میں عامی اگر ہوائے نفس کی پیروی کی نیت نہ رکھتا ہو تو دیگر مذاہب سے استفادہ کرنا بھی جائز ہو گا۔ قاضی محبّ اللہؒ کے نزدیک یہ اجماع امت ہے کہ شرعی امور میں سلف صالحین کے فیصلوں کو معتبر تسلیم کیا جائے، لہذا یہ لازم ہے کہ اقوال سلف کو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا جائے۔ عصرحاضر اور عہد نبویؐ کے درمیان چونکہ ایک طویل مدت حائل ہے لہذا آج کے دور کے مفتیان اور قضاہ کے اقوال کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ بطور دلیل سلف میں سے کسی کے قول کو پیش نہ کریں(۵۱)۔

قاضی محبّ اللہؒ بہاری کا نظریہ تقلید مذاہب اربعہ کے متبعین علماء سے مطابقت رکھتا ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ علمائے برصغیر کے فقہی میلان میں انفرادیت یا آزادانہ طرز عمل نہیں ملتا۔ اسی قسم کی جزوی تقلید امام ابن تیمیہؒ (م ۷۴۷ ھ) کے ہاں بھی جائز ہے:

''والذی علیه جماهیر الامة ان الاجتهاد جائز فی الجمله و التقلید جائز فی الجمله لا یوجبون الا جتهاد علی کل احد ویحر مون التقلید ولا یوجبون التقلید علی کل احد ویحرمون الاجتهاد وان الاجتهاد جائز للقادر علی الاجتهاد و التقلید جائز للعاجز عن الا جتهاد(۵۲).

"جمہورامت اس بات کے قائل ہیں کہ کچھ حد تک اجتہاد جائز ہے اورکچھ حد تک تقلید بھی جائز ہے وہ ہر ایک پر اجتہاد کو واجب نہیں سمجھتے اور نہ ہی ہر ایک پر اجتہاد کو حرام خیال کرتے ہیں بلکہ جوشخص اجتہاد کرنے کا اہل ہے اس کے لئے اجتہاد کو جائز قرار دیتے ہیں اور جوشخص اجتہاد کا اہل نہیں ہے اس کے لئے تقلید کو جائز قرار دیتے ہیں"

مابعد کے متبعین نے اسی اصول کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین کی تقلید اختیار کی۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس تقلید میں غلو کی آمیزش ہو گئی اور لوگوں نے اپنے اپنے مذاہب کے متبعین علماء کی آراء کو درست ثابت کرنے کے لئے دیگر مذاہب کے علماء کو تحقیق کر نے کے ساتھ ساتھ ان مذاہب کے علمائے سلف اور ائمہ کو بھی نشانہ تنقید بنایا۔ اس طرز عمل میں بھی امت کا باہمی رجحان مشترک ہے۔ عراق ہو یا شام، ایران ہو یا ہندوستان سب ہی مقامات سے ایسی شخصیات بکثرت سامنے آتی ہیں۔ جومحض اپنے مذہب کے دفاع میں اپنی زندگیا ں وقف کیے ہوئے ہیں۔

اس غلویانہ روش کے خلاف برصغیر پاک و ہند میں مؤثر آواز حضرت شاہ ولیؒ اللہ محدث دہلوی نے بلند کی وہ لکھتے ہیں:

ومنها أنهم اطمنوا بالتقليد و دب التقليد فی صدور هم دبيب النمل وهم لايشعرون وكان سبب ذلک تزاحم الفقهاء و تجادلهم فيما بينهم فإنهم لما وقعت فيهم المزاحمة فی الفتویٰ كان كل من افتیٰ بشیء نوقض فی فتواه ورد عليه، فلم ينقطع الكلام إلا بمسير إلی تصريح رجل من المتقدمين فی مسألة (۵۳).

"ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ تقلید پر مطمئن ہو گئے اور ان کے دلوں میں تقلید غیر شعوری طور پر سرایت کر گئی دراصل فقہاء کا باہمی مجادلہ اور مباحثہ اس کا سبب تھا کہ جب ان کے درمیان فتویٰ میں مجادلہ و مزاحمت ہوئی کہ جس نے کوئی فتویٰ دیا تو اس کے فتویٰ پر (دوسرے) نے اعتراض کیا اور پھر اس کا رد کیا جاتا ۔ آخر کار متقدمین میں سے کسی کے صریح قول، جو اس مسئلہ میں ہوتا اس پر یہ مباحثہ ختم ہو تا ۔"

شاہ صاحبؒ نے اپنے معاصرین کے اس طرز عمل کی وضاحت بھی کی کہ کسی ایک مذہب کے طالب علم جب اپنے امام کی رائے کے مقابلے میں کسی حدیث رسول ﷺ کو پاتے ہیں تو اس پر غور نہیں کرتے اور حدیث رسولؐ پر عمل کرنے کے بجائے اپنے مذہب کے امام کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس غلط دینی روش کی حجت وہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ یہ حدیث رسولؐ ان کے امام کے بھی روبرو یقیناً ہو گی لہذا اگر انہوں نے اسے ترک کیا ہے تو کسی بنیاد پر ہی کیا ہو گا ۔

شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :

''فنشأت بعدهم قرون علی التقليد الصرف لا يميزون الحق من الباطل ولا الجدل عن الا ستنباط فالفقيه يو مئذٍ هو الثر ثار المتشدق الذی حفظ اقوال الفقهاء قويها وضعيفها من غير تمييز و سردها بشقشقة شدقية......، و المحدث من عد الأحاديث صحيحها وسقيمها و هذها كهذ الا سمار بقوة لحييه''(۵۴)

"ان کے بعد تقلید محض کا زمانہ آتا رہا کہ لوگوں میں حق و باطل کا امتیاز نہ رہا اور نہ ہی جدال و استنباط کی تمیز باقی رہی آج یہ حال ہے کہ بڑھ چڑھ کر بیان کرنے والا فقہاء کے قوی وضعیف اقوال کسی تمیز کے بغیر یاد کر لے زور دے کر لوگوں کو بتائے وہ فقیہہ کہلاتا ہے اور جو صحیح وسقیم احادیث بلا امتیاز شمار کرے اور قصہ لوگوں کی طرح بناوٹی انداز میں بیان کرے وہ محدث کہلاتا ہے"

اس غلط تقلیدی روش کو اختیار کرکے امت مسلمہ میں کئی فرقے تشکیل پا گئے۔ برصغیر پاک و ہند

میں اس غلط تقلیدی روش سے امت کو باز رہنے کی تلقین شاہ ولی اللہ نے اپنی کتب **حجة الله البالغه، العقد الجيد، فيوض الحرمين، الانصاف فی بيان سبب الاختلاف** اور **تفهيمات الهيه** میں کی۔ آپ کی تحریرات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب کو بخوبی احساس تھا کہ اس روش کو اختیار کرنے کے کیا نقصانات ہو سکتے ہیں اور امت کی منزل اس راستے پر چل کر کیا ہو گی۔

لہذا انہوں نے امت کو فروعی مسائل میں قرآن وسنت کی پیروی کی تلقین کی اور علماء کی آراء کی تحقیق کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ایک مقام پر انہوں نے لکھا:

"لا ينبغي لا حد ان يفتي الا ان يعرف اقاويل العلماء في الفتاویٰ الشرعية و يعرف مذاهبهم فان سئل عن مسألة يعلم ان العلماء الذين يتخذ مذهبهم قد اتفقوا عليه فلا بأس بان يقول هذا جائز و هذا لا يجوز و يكون قوله على سبيل الحكاية و ان كانت مسألة قد اختلفوا فيها فلا بأس بان يقول هذا جائز في قول فلانٍ و في قول فلانٍ لا يجوز وليس له ان يختار فيجيب بقول بعضهم مالم يعرف حجته"(۵۵)

"جو آدمی شرعی فتوؤں میں علماء کے اقوال سے آگاہ نہیں اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ فتویٰ دے۔ اسی طرح فتویٰ دینے کے لئے مذاہب علماء سے آگاہی ضروری ہے اگر کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ جانتا ہے کہ جن علماء کا مذہب قبول کیا جاتا ہے ان کا اس پر اتفاق ہے تو پھر کوئی ہرج نہیں کہ یہ کہہ دے "یہ جائز ہے" اور "یہ جائز نہیں" اس کا قول بطور حکایت کلام ہونا چاہیے اور اگر مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو تو یہ کہہ دینے میں کچھ ہرج نہیں کہ "یہ فلاں کے قول میں جائز ہے" اور یہ فلاں کے قول میں جائز نہیں" اور اسے یہ جائز نہیں کہ بعض کا قول مختار کر کے اس قول کے مطابق جواب دے جس کی دلیل نہیں جانتا"۔

شاہ صاحب نے یہاں امت کو جائز تقلید اور مناسب تحقیق کے لحاظ سے معتدل راہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی انہوں نے اقوال ائمہ کی روشنی میں ناجائز تقلید کی وضاحت فرمائی۔ انہوں نے ایسی ناجائز تقلید کو قبول نہ کیا جو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے ہاں اختیار کی جا چکی تھی۔ انہوں نے تقلید محض اور اتباع کا فرق امت کو سمجھایا اور ائمہ کرام کے طرز عمل کی نشاندہی کرتے ہوئے انہوں نے امام شافعیؒ کے بارے میں لکھا کہ:

"لا تقلد نی ولا تقلدن مالكا ولا الأوزاعي ولاالنخعي ولا غيرهم وخذ الاحكام من حيث اخذوا من الكتاب والسنة"(۵۶)

''چاہیے کہ نہ میری تقلید کی جائے اورنہ مالک، اوزاعی اور ابراہیم النخعی کی اور احکام اخذ کرو جیسے کہ انہوں نے کتاب و سنت سے اخذ کیے''۔

انہوں نے واضح طور پر امت کو بتایا کہ قرآن و سنت کے مقابلے میں کوئی بھی شخصی کلام نہیں ہوسکتا جسے حجت سمجھا جائے۔ انہوں نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا کہ:

''اذا صح الحدیث فھو مذھبی و اذا رأیتم کلامی یخالف الحدیث فعملوا بالحدیث واضربوا کلامی الحائط''(۵۷)

"جو حدیث صحیح ہے وہی میرا مذہب ہے جب تم میرے اجتہاد و استنباط کو حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو دیوار پر دے مارو"۔

شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ ان گنت شخصیات نے ہر دور میں یہ جہاد جاری رکھا اور امت میں پیدا ہو جانے والے فرقوں کے درمیان حائل ہونے والی خلیج کو دور کرنے کے لئے بھی خدمات انجام دیں۔ ان میں پیر مہر علیؒ شاہ گولڑوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مجدد الف ثانیؒ، عبدالحق محدث دہلویؒ، ملا جیونؒ، شاہ عبدالعزیز دھلویؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، نذیر حسین دھلویؒ، ثناء اللہ امرتسریؒ، سید ابوالا علی مودودیؒ، سید سلمان ندویؒ وغیرہ شامل ہیں جنہوں نے اس اہم کام میں اپنی عمریں صرف کیں۔

برطانوی اقتدار کا اثر:

۱۷۷۲ء میں ہندوستان پر انگریز کا عدالتی نظام رائج ہو گیا۔ اس نظام کے تحت عدالتیں قائم کی گئیں جن میں ہندو پنڈت ہندو آبادی کے مقدمات کی پیروی کرتے تھے اور مسلمان قاضی مسلم آبادی کے مقدمات کی پیروی کرتے تھے(۵۸)۔

یہ ایک انقلابی تبدیلی تھی جس نے اس خطے کے نظام کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا۔ اس عرصے میں برصغیر پر مغربی تہذیبی یلغار کا آغاز ہو چکا تھا۔ دنیا کے حالات میں تبدیلی وقوع پذیر ہو چکی تھی ہندوستان میں مسلمان حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی حیثیت ہندوؤں سے پست ہو چکی تھی۔ ان تبدیلیوں کے بعد ایک خطرناک صورت حال یہ پیدا ہوئی کہ مستشرقین اور چندمسلمان طبقوں کی جانب سے شریعت اسلامی پر آزادانہ تنقید شروع ہو گئی(۵۹)۔

سرسید احمد خان اور ان کے ہم خیال حضرات نے اسلامی شریعت پر قابل گرفت تنقید کی(۶۰)۔ برصغیر کے منکرین حدیث بھی اپنے مضامین میں یہی طرز عمل اختیار کرتے تھے(۶۱)۔ لیکن اس دور میں بھی برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں نے شریعت اسلامی کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

فتنوں کے اس دور میں جب مسلمان اپنی تہذیبی، سیاسی، عملی اور اقتصادی مرکز یت کھو چکے تھے اس بات کی اہمیت شدت سے محسوس کی گئی کہ فقہ اسلامی کی تدوین جدید عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ (م۱۹۳۸ء) نے The Reconstruction of Religious Thought in Islam میں اس بات کا جائزہ پیش کیا کہ امت مسلمہ میں اسلامی علوم کی تحقیق کے بند سلسلے کو دوبارہ شروع کرنا چاہیے، ایک مقام پر انہوں نے لکھا:

> And a further intelilgent study of the literature of traditions, if used as indicative of the spirit in which the Prophet himself interpreted his Revelation , may still be of great help in understanding the life-value of the Legal Principles enunciated in Quran. A complete grasp of that life-value alone can equip us in our endeavour to re-interpret the foundational of principles (62).

> " اگر ذہانت سے احادیث کا ازسر نو جائز لیا جائے اور ایسے ہی ان کا احاطہ کیا جائے جیسے کہ نبی اکرمﷺ نے کیا تو یہ ہمیں زندگی کی اصولی قانونی اقدار جیسا کہ قرآن حکیم نے عطا کی ہیں، کے فہم میں معاون ہو سکتا ہے زندگی کی اقدار کے اس فہم پر مکمل گرفت ہی ہمیں بنیادی اصولوں کی جدید وضاحت کرنے کے لئے تیار کر سکتی ہے"۔

علامہ اقبالؒ اور ان کے ساتھیوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ جدید علمی ترقی کے ساتھ بنیادی اصطلاحات کی تشریحات بھی تبدیل ہو چکی ہیں۔ مختلف شعبہ ہائے حیات کے لحاظ سے انسانی مطالبات بدل چکے ہیں۔ انسانی مسائل کے مآخذ پرانے مگر ان کے رجحانات بدل چکے ہیں۔ اس لحاظ سے انہوں نے یہ ادراک ممکنہ گہرائی تک کیا کہ دینی اصول و قوانین کے مآخذ کسی صورت اپنی اہمیت نہیں کھو سکتے خواہ حیات انسانی کی اقدار دنیاوی ترقی کی کتنی ہی منازل طے کیوں نہ کر لے۔ البتہ ان کی انسانی تعریفات و تشریحات ضرور بوسیدگی کا شکار ہو سکتی ہیں جن کی تجدید کے لئے مطالعہ قرآن و سنت ان ہی اصولوں پر کیا جائے جن کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آخر الزماںﷺ نے رکھی۔ علامہ اقبالؒ اور ان کے رفقاء نے اس اہم اپنی خدمت کے لئے ایک عملی قدم اٹھایا۔ انہوں نے دارالاسلام پٹھانکوٹ میں ایک قطعہء اراضی مختص کیا اور مختلف علمی شخصیات کو وہاں مقیم ہو کر کام کرنے کی دعوت

دی جس کے نتیجے میں سید ابوالا علی مودودیؒ(م ۱۹۷۹ء) نے وہاں سکونت اختیار کی۔ سید ابوالاعلی مودودیؒ نے اپنی زندگی دینی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔مگر کام کرنے کے سلسلے کا آغاز ہونے سے قبل ہی برصغیر کے عظیم مفکر علامہ اقبالؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے(۶۳)۔ سید ابوالاعلی مودودیؒ نے بدلتے ہوئے سیاسی و معاشرتی حالات میں خوب کام کیا۔ انہوں نے اپنی تحریرات میں جدید تحقیقی اسلوب اختیار کیا اور فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر مدلل مضامین تحریر کیے۔ انہوں نے امام الغزالی (م۵۰۵ھ)، امام ابن تیمیہؒ(م۷۲۸ھ) اور شاہ ولی اللہؒ (م۱۷۰۷ء) کی تحریروں کے تراجم بھی کیے جن میں تحقیق اور اجتہاد کے اصو ل بیان کیے گئے ہیں(۶۴)۔ سید مودودیؒ نے جدید مسلم مفکرین کو تحقیق کی طرف راغب کیا اور دیگر علوم دنیاوی سے منسلک مسلمانوں کو اپنی اسلامیت کو برقرار رکھنے کی تلقین کی۔ اخوان المسلمون اور سید مودودیؒ کی جماعت اسلامی نے جدید علوم کی تحصیل کرنے والے مسلمان طبقات میں اسلامی روح برقرار رکھنے کی جو جہادی ذمہ داری ادا کی ہے اسے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اس دور میں جو کتب تحریر کی گئی ہیں ان میں جدید امت مسلمہ تک ان کے دینی سرمائے کو اس طرح پہنچایا گیا ہے کہ وہ مغربی اور دینی تنقید کے زیر اثر اپنے دین کو بوسیدہ خیال نہ کریں بلکہ جان لیں کہ وہ اللہ کے سچے پیغمبر آخرالزماں ﷺ کا سچا اور متحرک دین ہے(۶۵)۔

قیام پاکستان کے بعدسے پاکستان میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر فکر اسلامی کی ترویج و اشاعت مسلسل جاری ہے اگرچہ تحقیقی جائزے کی رو سے یہ اتنی بار آور دکھائی نہیں دیتی مگر اس بات کے واضح امکانات ہیں کہ آنے والے وقتوں میں اس دور میں کیے گئے کام کی قدر و قیمت کو محسوس کیا جائے گا۔ اس دور میں جو کچھ علمی کام کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ اہم ہے اور جو عملی اقدامات امت مسلمہ میں مسلکی تعارض کو دور کرنے کے لئے کیے گئے ہیں وہ بھی سراہے جانے کے لائق ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ہی مسالک کے بالغ نظر حضرات کے ہاں یہ فکر ی احساس پایا جاتا ہے کہ ماضی میں مسلمانوں میں فرقہ واریت کے پھیلنے کی وجہ سے امت مسلمہ کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا، لہذا س کے تدارک کا ہونا اہم ہے۔

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"مدونین قانون اپنے سامنے کسی ایک معین فقہ کو نہ رکھیں بلکہ پوری فقہ اسلامی کو سامنے رکھ کر ہر اجتہادی مسئلے میں یہ دیکھیں کہ کون سی بات کتاب و سنت کے فحویٰ اور مقتضٰی سے زیادہ لگتی ہے اور جو بات اس پہلو سے زیادہ قوی نظر آئے اس کو اختیار کر لیں خواہ اس کا تعلق ہماری مختلف فقہوں میں سے جس فقہ سے بھی ہو اور اگر مسئلہ کتاب

و سنت سے استنباط و اجتہاد کی نوعیت کا نہ ہو بلکہ اس کا تعلق مصلحت اسلام و مسلمین سے ہو جس کو ہمارے فقہاء استحسان اور مصالح مرسلہ وغیرہ کی اصطلاحوں سے تعبیر کرتے ہیں تو پھر اس بات کو دیکھیں کہ کون سی بات مصلحت اسلام اور زمانہ کے تقاضوں سے زیادہ موافقت رکھتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر قانون کی تدوین اس طرح عمل میں آئے تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اس بات کی ضرورت ہوگی کہ تدوین قانون کا کام ایسے لوگوں کے سپرد کیا جائے جو تعصب اور گروہ بندی سے پاک ہوں اور شریعت کے مزاج اور اسلام اور مسلمانوں کے مصالح پر نظر رکھتے ہوں''(٦٦)۔

قرآن و سنت میں جس گہرے ملی رابطے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس وقت اس بات کی اہم ضرورت ہے کہ اس رابطے کو استوار کر لیا جائے اور ایسے ادارے تشکیل دیے جائیں جو گروہی تعصب اور فکری تعارض کو دور کرنے کے اقدامات کریں۔

عصر حاضر میں دنیا کے افق پر ہونے والی تیز رفتا رتبدیلیوں کو محسوس کیا جا رہا ہے اور اس بات کا جلد ہی امکان ہے کہ عالمی معیشت یکسر بدل جائے گی جس سے بڑے پیمانے پر سیاسی تبدیلیاں رونما ہو گی۔ پھر گلوبلائزیشن کی وجہ سے وہی قوم بلندی پر ہو گی جو اپنی اقدار کے لحاظ سے اور اصول قوانین کی بناء پر مضبوط اور اچھا جانے کی صلاحیت رکھتی ہو گی۔ اس وقت امت مسلمہ پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ و ہ ان تبدیلیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے اقدامات کر ے جو ماضی میں نہ کیے جا سکے۔ جیسا کہ نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

"تلافی مافات کی کوشش ضروری ہے اور اس کی بھی کہ آئندہ کے لئے سوچ سمجھ کر منصوبہ بنایا جائے۔ اس عمل کے آغاز میں حالیہ تجربوں کا تنقیدی جائزہ لینا بھی ضروری ہے اور آئندہ کے لئے ممکن طریقوں پرکھل کر گفتگو بھی ظاہر ہے یہ نہ تو کوئی سب کے لئے خوش کن کام ہے نہ ایسا جس کے نتائج پر سب کا اتفاق ممکن ہو۔ لیکن زندگی کی اسلامی تعمیر نو کے کام میں اسلامی صفوں کے درمیان مقاصد شریعت کے فہم و تطبیق کے عمل میں اختلافات کو جاننا اور ان پر تبادلہ رائے کرنا ہماری ایک بڑی ضرورت ہے"(٦٧)۔

مسلکی رواداری اور آزادی اظہار کا ہونا مسلم معاشرے میں لازمی امر ہے اور معاشرے میں اتحاد و اتفاق کے لئے بھی ضروری ہے۔ ہم نے دیکھا کہ تدبیریں وہی کامیاب ہوتی ہیں جن کی حکومتی سطح پر سرپرستی بھی کی جاتی ہے۔ حکومت اور عوام جب باہم مل کر کوئی تبدیلی لانا چاہیں تو انہیں کامیابی

حاصل ہوتی ہے۔ فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے ایسے اقدامات کی ضرورت ہے جو حکومتی سطح پر کیے جائیں جیسا کہ ڈاکٹر ادریس زبیر لکھتے ہیں:

"اگر حکومت وقت بھی تھوڑی سی مخلصانہ دلچسپی لے تو معتدل مزاج، صاحب مروت، صحیح معنوں میں علم اور قدیم و جدید پر گہری نظر رکھنے والے علماء پر مشتمل ایک اعلیٰ اختیاراتی بورڈ بنایا جائے جو ہر فقہ سے فائدہ ضرور اٹھائے مگر قرآن و سنت کو زندہ کرے۔ یہ نہ اجتہاد کی دعوت ہے اور نہ مذاہب خمسہ کے خلاف علم بغاوت یوں تقریب بین المذاہب کی کوششیں کامیاب ہوسکتی ہیں اور بتدریج تعصب کو کم کیا جا سکتا ہے اس بورڈ کو قرآن مجید کا یہ اصول بطور ایک ماٹو کے ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ﴾ (الانعام۶ : ۱۵۹)

"بے شک جن لوگو ں نے اپنے دین میں تفریق کی اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں"(۶۸)۔

دور جدید کے فقہی رجحانات:

عصر حاضر میں گوناگوں سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کی بناء پر امت مسلمہ کے فقہی رجحانات میں بھی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ یہ ایسی تبدیلیاں ہیں جو متضاد اشکال کی حامل ہیں۔ کہیں تو مسلمان جدیدیت سے مرعوب ہو کر اپنی مذہبی اقدار، اخلاقیات اور قوانین سے متنفر ہو رہے ہیں اور کہیں انسان کے ساختہ نظامات کی آزمائش کرنے کے بعد دوبارہ اسلام کی اساسی تعلیمات کی جانب شدت سے راغب ہو رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا خصوصاً پاکستان میں دونوں طرح کے رجحانات واضح دکھائی دے رہے ہیں مگر ایک خطرناک صورت حال جو یہاں جہالت، کم علمی اور علماء سے تنفر کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستانی معاشرے میں غیراسلامی رسوم ورواج پر عمل عام ہو رہا ہے۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر نے اس صورت حال پر توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ تمام رسوم و رواج اور عادات و روایات محض کم علمی، جہالت، دین کے احکام سے عدم واقفیت اور اسلامی تعلیمات سے دُوری کا نتیجہ ہے۔ اس کے لیے علمائے کرام کو وعظ و تذکیر سے کام لینا چاہیے۔ بچوں کے تعلیمی نصابات میں ان جاہلانہ رسوم کے پس منظر اور ان کے نقصانات سے آگاہ کرنا چاہیے۔ ذرائع ابلاغ کو خصوصیت سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح حکومت اور اس کے متعلقہ ادارے بھی ان معاشرتی خرابیوں اور اخلاقی گمراہوں پر توجہ دے سکتے ہیں(۶۹)۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت حال کا ایک سبب تقلید پرستی کے رجحان کا حد سے بڑھ جانا ہے۔ فقہ اسلامی کے گذشتہ ادوار میں تقلیدی روش ایک مضبوط بنیاد پر اختیار کی گئی تھی یعنی علمائے ہندوستان کا خود کو اجتہاد کا اہل نہ سمجھنا ان برگزیدہ شخصیات نے اس بھاری ذمہ داری کو اٹھانے سے عاجزی اختیار کی اور ائمہ کرام کے اقوال سے اختلاف کرنے سے باز رہے۔ ان کی یہ روش مسلمانان ہند کو فتنہ جدیدیت سے بچانے میں کام آئی۔ تاہم گذشتہ دور کے مقابلے میں عصر حاضر علمی ترقی کا دور ہے۔ اس میں اسلامی علوم و فنون نے جس حد تک ترقی کی ہے وہ سراہے جانے کے لائق ہے۔ اس دور میں فقہ کی بھی قابل قدر کتب منظر عام پر آئی ہیں۔ ایسی کتب جو آج سے پہلے مخطوطات کی صورت میں پائی جاتی تھیں، آج وہ بھی شائع ہو کر قابل استفادہ ہو چکی ہیں، تحقیق بھی حتی المقدور مختلف تحقیقاتی اداروں کی جانب سے ہور ہی ہے لیکن جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو ابھی میدان تحقیق میں کئی درجات طے کرنا باقی ہیں۔ آج کے دور میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے گذشتہ صدیوں کی طرح محض مقلد بن کر رہنا کافی نہ ہو گا مگر تحقیق و اجتہاد کے لئے جس فہم و درک کی ضرورت ہے۔ وہ علوم دین کے ساتھ جدید علوم میں مہارت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جدید ذرائع علمی کا استعمال بھی ناگزیر ہو چکا ہے۔ عصر حاضر کے اسلامی محقق کی جدید ترین تحقیق کو جدید نسل تب تک تسلیم نہ کرے گی جب تک وہ علمی حقائق کی روشنی میں نہ کی گئی ہو۔

حوالہ جات

۱۔ بزرگ بن شہر یار الرامھر مزی، المسالک والممالک، ۴۰، لائیڈن، ۱۸۸۶: احمد امین، فجر الاسلام، ۱ /۳، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۹۲۹: ابوحنیفہ احمد بن داؤد الدینوری، اخبار الطوال، ۱۱۲، دار المیسر ہ، بیروت ۱۳۷۹

۲۔ ایضا: سید سلمان ندوی، عربوں کی جہاز رانی، ۵۲ اسلامک کلچر حیدآ باد دکن۔

۳۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی، تقدمة الجرح والتعدیل، ۹ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۵۳ء

۴۔ اسماعیل بن کثیر، ابوالفداء: القرشی، البدایہ و النھایہ، ۹۔۸۸ ، دارالریان مصر، ۱۴۰۸ھ

۵۔ ابن سعد، کتاب الطبقات الکبریٰ، ۱۸۰/۷ ، مرتبہ ایڈورڈسخاؤ لایئڈن ، ۱۹۳۳ء

۶۔ حاجی خلیفہ، تاریخ الخلفاء ، ۳/ ۲۸ ، دارا لفکر بیروت، ۱۹۹۰ء: سید عبدالحیی، نزھة الخواطر ، ۱ /۴۲ ، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۵ء

۷۔ قاضی عیاض، ترتیب المدارک و تقریب المسالک، ۲/ ۵۵۱

۸ ۔ تقی الدین السبکی، الطبقات الشافعیہ ، ۳ / ۱۰۲، تحقیق: عبدالفتاح الحلو ، قاہرہ، ۱۹۶۴ء

۹۔ محمد بن احمد، الذھبی، تذکرة الحفاظ ، ۱ / ۲۱۶ ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، ۱۹۸۸ء

۱۰۔ خطیب البغدادی ، تاریخ بغداد ، ۲۳/۶، المکتبہ السّلفیہ ، المدینہ المنورہ

۱۱۔ الرامھر مزی، حسن بن عبدالرحمٰن، المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی، ۶۱۱، تحقیق: عجاج الخطیب، دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۱ء

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ السمعانی، کتاب الانساب، ۳۱۴ ب ، گب میموریل سیریز ، لندن

۱۴۔ زین العا بدین سجاد، انتظام اللہ اکبر آبادی ، تاریخ ملت ۲، /۲۰۸ ، ادارہ اسلامیات لاہور ، ۱۹۹۱ء۔

۱۵۔ شاہ ولی اللہ، حجة اللہ البالغہ ، ۱ / ۳۳۲، دار المعرفة، بیروت، ۲۰۰۴ء

۱۶۔ یاقوت الحموی البغدادی، ۱۵۱/۵، دارالکتب العلمیہ بیروت

۱۷۔ محمد بن طاہر المقدسی، احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم ، ۴۸۱ ، لائڈن ۱۹۰۶ء

18. Elliot, Sir H. M and dowson, *The History of India,* vol III, p:183, Indian Turber company, 1867: Imperial Gazetteer of India, vol .IV, p: 14, 2007: Robb peter, A Histoy of India, p:344, Houndmills Hampshire, Palgrav Macmillan: Stein Burton, History of India, XIV, p:432, Oxford university press, Nsw Delhii, 2001-

۱۹۔ خالد محمود، آثار الحدیث، ۲/ ۴۴۳، دارالمعارف، لاہور، ۱۹۸۸ء

۲۰۔ ابن بطوطہ، تحفة النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار پیرس ۱۹۲۲۔

۲۱۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ۲/ ۳۹۷، ۳۹۸، ترجمہ : عبدالحیٔ خواجہ ، بک ٹاک، لاہور

22. Elliot, sir H. M, and dowson, the History of India, vol III, p:183

۲۳۔ ذکاء اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، ۲/ ۵۴ ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ،نزھة الخواطر، ۱۷۹/۱، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ۱۹۹۱ء

۲۴۔ یوسف فاروقی، برصغیر میں علم الافتاء کا ایک مختصر تاریخی جائزہ ، ۱۲۲، سہ ماہی منہاج، جون تا جنوری ۱۹۹۹ء
25. Encycleopedia of Islam, article: Fatawa, vol II, p: 866, london, 1960:
اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، مضمون : فتاویٰ ، ۱۵/ ۱۳۹ جامعہ پنجاب لاہور ، ۱۹۷۵ء
۲۶۔ ایضا
۲۷۔ تاریخ فرشتہ، ۳/۲۷۳۔
۲۸۔ نزہۃ الخواطر ، ۱/۱۵۷۔
29. Khalid Nizami, Some aspects of Religion and Politics in India, Thirteenth Century.
۳۰۔ نزہۃ الخواطر ، ۱/۲۱۱۔
۳۱۔ ایضاً ۲/۱۰۶، ۱۰۷: تاریخ ہندوستان، ۲/۵۴۔
۳۲۔ ایضاً
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ تاریخ ہندوستان ، ۲/۳۷۱۔
35. John F Richards, The Mughal Empire, Vol: I, P:5, The New Cambridge History of India, Cambridge, University Press, 1996
36. Jonatham Cape, The Great Mughals, P: 227, Bamber and Christina Gascoigne, Jonathan Cape Ltd, London, 1985.
37. Irfan Habib, The Agrarian System of Mughal India, P:317, Oxford University Press India, 2001: M. Athar Ali, The Mughal Nobility Under Aurangzeb, P:11, Oxford University Press, Delhi, 1977: M. Bashir Ahmad, Judicial System of Mughal Empire, P: 102, Pakistan History Society Karachi, 1978.
۴۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (مضمون :فتاویٰ عالمگیر ی)، ۱۵/۱۴۷۔
۴۱۔ مجیب اللہ ندوی ، فتاویٰ عالمگیر ی کے مؤلفین ، ۱۷، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور ، ۱۹۸۸ء۔
۴۲۔ ایضاً
۴۳۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ ، ۱۵/۱۴۷۔
۴۴۔ صحیح البخاری، کتاب الا عتصام ، باب اجرالحاکم اذا اجتهد فاصاب أو أخطا، ۲۱۱، رقم الحدیث :۷۳۵۲، موسوعۃ الکتب الستۃ ، دارالنشر و التوزیع ، المملکۃ السعودیہ ۲۰۰۰۔
۴۵۔ ابن خلدون ، مقدمہ ۳۸۹، دارالجیل، بیروت۔
۴۶۔ حجۃ اللہ البالغۃ ، ۱/۳۴۶
۴۷۔ الآمدی، ابو الحسن علی، الاحکام فی اصول الاحکام ، ۴/۱۴۴، مکتبۃ صبیح ، بیروت ، ۱۳۸۷ھ
۴۸۔ ایضاً
۴۹۔ الشوکانی، قاضی محمد ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الا صول ، ۲۶۵، مصطفی البابی الحلبی مصر ،

۱۳۵۲ھ

۵۰۔ ایضاً

۵۱۔ محبّ اللہ بہاری، مسلم الثبوت ، ۲۹۰۔ داراحیاء العلوم، بیروت، س۔ن

۵۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱/۲۰۳، مرتب عبدالرحمان بن محمد بن قاسم، وزارۃ الشوؤن الاسلامیہ ، الاوقاف والدعوۃ والارشاد، المملکۃ العربیۃ الاسلامیہ۔

۵۳۔ حجۃ اللہ البالغۃ، ۱/۳۴۸۔

۵۴۔ ایضا

۵۵۔ ایضاً ۱/۳۵۷

۵۶۔ ایضاً ۱/۳۸۴

۵۷۔ ایضاً

58. Imperial Gazetteer of India, Vol IV, P: 14: Robb Peter, A history of India, P: 344, Houndmills, Hampshire Palgrave Macmillan, 2004: Met calf Thomas R. Ideologies, of the Raj, Cambridge and London, P:256, Cambridge University Press, India, 1997.

59. Joseph Schact, An Introduction to Islamic Law, P: 34, Oxford University Press, London, 1924.

۶۰۔ مقالات سرسید ، ۱/۴۱، مرتب محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۲ء۔

۶۱۔ غلام احمد پرویز، مقام حدیث ۱/۹۷، ادارہ طلوع اسلام کراچی، ۱۹۵۳ء

62. The Reconstruction of Religious thoughts in Islam, 118.

۶۳۔ نقی علی، سید مودودی کا عہد ، ۳۵، البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۰ء: عاصم نعمانی، گفتار و افکار، ۳۱۳، اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۸: سید نظر زیدی ، قیام پاکستان میں مولانا مودودیؒ کا فکری حصہ ، ۴۰، اردو دائرہ معارف اسلامی لاہور ، ۱۹۸۳ء

۶۴۔ ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیمات، ۲/۷، ۲/۱۹، اسلامک پبلی کیشنز لاہور

۶۵۔ سید قطب، **العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام**: سید قطب، معالم فی الطریق: جلال الدین انصر عمری ، معروف و منکر: مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی: ابوالاعلی مودودی، سود: امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست میں فقہی اختلاف کا حل، نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظریہ مملکت، امین احسن اصلاحی، اسلامی قانون کی تدوین، مجیب اللہ ندوی، اجتہاد اور تبدیلی احکام، محمد متین ہاشمی اسلامی حدود وغیرہ ۔

۶۶۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلاف کا حل، ۹۷، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۱ء

۶۷۔ مقاصد شریعت: فہم و تطبیق، ۲۲، سہ ماہی فکرو نظر، شمارہ : ۳، جنوری مارچ ۲۰۰۸ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۶۸۔ فقہ اسلامی ایک تعارف، ایک تجزیہ، ۲۰۰، الھدیٰ پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء

۶۹۔ سماجی عادات اور علاقائی روایات کا اسلامی تعلیمات سے ٹکراؤ، ۳۸، ماہنامہ الدعوۃ اسلام آباد، جون ۲۰۰۸ء۔